



علم الانسان

مفتی منیب الرحمن

اہل مغرب نے انسانی خصوصیات کا مطالعہ کرنے کے لیے جو جدید علوم ایجاد کیے ہیں، اُن میں سے ایک ”علم الانسان“ ہے، جسے جدید اصطلاح میں ”Anthropology“ کہا جاتا ہے، علم الانسان کی تعریف ”Merriam Webster“ میں ان الفاظ میں درج ہے: ”فرد کی شخصیت، اُس کے آباؤ اجداد، جسمانی خصوصیات، گرد و پیش اور سماج سے تعلقات اور تہذیب و ثقافت کے اعتبار سے انسان کے مطالعے کا نام علم الانسان ہے“۔ آکسفورڈ اور کیمبرج ڈکشنری میں بھی اس سے ملتی جلتی تعریف ہے۔ اس کے متوازی ”علم النفس“ ہے، اسے انگریزی میں Psychology کہتے ہیں۔ ”Merriam Webster“ میں اس کی تعریف یہ ہے: ”انسان کے ذہن اور اس کے رویے یا انسان کے سوچنے کے انداز کے مطالعے کا نام علم النفس ہے“۔

سوامریکا اور مغرب کی یونیورسٹیوں میں فرد اور قوم و نسل کی حیثیت سے انسانی رویوں، انسان کی ذہنی ساخت، اقوام عالم کی جسمانی ارتقاء، تہذیبی، ثقافتی اور سماجی رویوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ انسان کی سوچ اور رویے پر ماحول کی اثر پذیری کو حدیث مبارک میں ان کلمات میں بیان کیا گیا ہے: ”ہر بچہ فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہے، پھر اُس کے ماں باپ (یعنی سماج) اُسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنادیتے ہیں، (بخاری: 1385)“۔ انسان کی ذہنی ساخت کے تانے بانے کو حدیث پاک میں جبلت سے تعبیر کیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ہل گیا ہے، تو اس کی تصدیق کر لو اور جب تم سنو کہ کوئی شخص اپنی جبلتی ساخت سے بدل گیا ہے تو اس کی تصدیق نہ کرو، کیونکہ وہ اپنی جبلت کی طرف لوٹا ہے، (مسند احمد: 27499)“۔

قرآن کریم نے بتایا کہ انسان موروثی طور پر کوئی پاپ یا گناہ لے کر نہیں آتا، وہ اپنی نیکی یا بدی خود کماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”سو آپ ہر باطل سے کنارہ کش ہو کر اپنا رخ بندگی دین حق پر، یعنی اللہ کی بنائی ہوئی اُس سرشت پر، جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، قائم کر دیں، (خبردار!) اللہ کی سرشت میں کوئی رد و بدل نہ کرنا، یہی صحیح دین ہے، (الروم: 30)“۔ اسی طرح قرآن مجید نے جا بجا نطفے سے لے کر انسان کامل بننے تک انسان کے تخلیقی مدارج کو بیان فرمایا اور احادیث مبارکہ میں بطن مادر میں جسمانی ارتقاء، اُس کے ساتھ روح کے تعلق اور اُس کے ضمن میں یہ بیان فرمایا کہ ایک مرحلے پر انسان کی کمپیوٹر ڈسک میں اس کی پوری سوانح درج کر دی جاتی ہے، اسی کو آج کل ڈی این اے کہتے ہیں، یہ بھی دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ انسان کے ڈی این اے میں بے پناہ معلومات ہیں، جن کا احاطہ ابھی عقل انسانی نہیں کر پائی۔ ڈی این اے ہی کے ذریعے انسان کی اصل دریافت کی جا رہی ہے اور بعض صورتوں میں یہ اصل قانونی رشتہ پدری (parentage) سے مختلف ہوتی ہے۔

حال ہی میں برطانیہ کے سرکاری مذہبی رہنما اور ساڑھے آٹھ کروڑ نفوس پر مشتمل پروٹیسٹنٹ فرقے کے سب سے بڑے

روحانی پیشوا آرک بشپ آف کنسریری جسٹن ویلی نے اپنے ذہن اے ٹیٹ کے بعد اعتراف کیا ہے کہ وہ اپنی ماں کی ناجائز اولاد ہیں، یعنی اپنے قانونی باپ کی حقیقی اولاد نہیں ہیں۔ اُن کا حقیقی باپ انتھونی مونانگ براؤن تھا جو برطانوی وزیر اعظم وٹسن چرچل کا آخری پرائیویٹ سیکرٹری تھا اور یہ خاتون اُس کے ماتحت کام کرتی تھی۔

یہ چند سطور میں نے اس لیے لکھیں کہ ہماری قوم کی بھی بعض جنسی خصوصیات، جزوی تفرقات کے علاوہ مشترک ہیں۔ میں نے پہلے بھی لکھا تھا کہ پاناما لیکس پر ہمارے سیاست دانوں کا شور شرابا زیادہ تر مصنوعی ہے اور محض اپنا گراف بڑھانے کے لیے اسے اچھالا جا رہا ہے۔ کرپشن کی تحقیق عمودی (vertical) گہرائی اور افقی (horizontal) گیرائی اور جامعیت کے ساتھ کوئی بھی نہیں چاہتا، کیونکہ ہماری قیادت کے مجموعی اثاثے میں کرپشن کی آلودگی سے مکمل طور پر پاک صاف افرادی سرمایہ بہت کم ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے لیے جواز پیش کر دیتا ہے اور دوسرے کو کوئی رعایت دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

پاکستان پیپلز پارٹی کا اصل دردیہ ہے کہ کراچی میں بے امنی کے خلاف رینجرز کے آپریشن کو کرپشن تک محیط کر کے اُن کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے اور اُن کے حق حکومت کو بے اختیار بنادیا گیا ہے، بلکہ ایک طرح سے انہیں بے آبرو کیا گیا ہے۔ مگر وزیر اعظم محمد نواز شریف اُن کی شکایات پرنس سے سُن نہ ہوئے اور اُن کی مشکلات کا تدارک نہیں کیا۔ مزید یہ کہ وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان اُن کی چٹکیاں لیتے رہے، گدگدی کرتے رہے اور اُن کے ساتھ چھپر چھپڑ کا سلسلہ جاری رکھا اور اُن کے احتجاج کو پُر کاہ کے برابر بھی اہمیت نہ دی۔ اب انہیں قرض چکانے کا صحیح موقع ملا ہے، سو وہ سود سمیت قرض چکا رہے ہیں۔ مگر دل سے کرپشن کی جامع تحقیق کے وہ بھی آرزو مند نہیں ہیں۔ دوسری سیاسی پارٹیوں کی ناراضی کا سبب بھی شریف برادران کا دوسروں کو یکسر نظر انداز کرنے کا رویہ ہے، بلکہ کوئی سچ جاننا چاہے تو اُن کی اپنی جماعت کے لوگوں کا شکوہ بھی یہی ہے۔ لیکن اندر سے ٹیسیں اٹھنے کے باوجود وہ جماعتی نظم کی وجہ سے حرف شکایت زبان پر نہیں لا سکتے، سو اُن کا درد دوروں سے ہوا ہے۔ خواجہ محمد وزیر نے بہت پہلے شریف برادران کی موجودہ ابتلا کے حسب حال یہ شعر کہہ دیا تھا:

اسی لئے تو قتل عاشقان سے منع کرتے ہیں اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں ہو کر
اس سے پہلے ڈی چوک پر طویل دھرنے کے زمانے میں پارلیمانی اپوزیشن بلکہ تمام پارلیمانی جماعتوں نے وزیر اعظم کا بھرپور ساتھ دیا تھا اور پاکستان تحریک انصاف کے بعض باشعور ممبران کی خلوت کی دعائیں بھی اُن کے ساتھ تھیں۔ لیکن خطرہ ٹلتے ہی شریف برادران اپنی اصلیت کی طرف لوٹ آئے اور پارلیمانی اپوزیشن کے احسانات کو یکسر فراموش کر دیا۔ اب مرزا غالب کے الفاظ میں شریف برادران کے اپوزیشن سے زیر لب شکووں کا جواب یہ ہے:

وہ اپنی خونہ چھوڑیں گے، ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں سبک سربن کے کیا پوچھیں، کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو
سو اب اپوزیشن کی ناز برداری کا وقت سر پر آ گیا ہے اور اُن کا عملی جواب یہ ہے کہ جب آپ اپنی وضع، انداز دلربائی، شان بے اعتنائی اور دوسروں کو نظر انداز کرنے کا شعرا نہیں چھوڑیں گے، تو ہم بھی آپ کے سامنے سبک سربن کر نہیں آئیں گے، بلکہ اب خوئے معشوقانہ اور انداز دلبرانہ اختیار کریں گے۔

پاکستان پیپلز پارٹی صوبہ سندھ کا Chapter تو پھر بھی محتاط ہے۔ کیونکہ انہیں یہ کھکا بھی لگا رہتا ہے کہ ماضی میں سیاسی حکومتوں کی بساط جب بھی لپٹی گئی، تو انجام کار کوئی بھی نہ بچا اور ہر ایک کو نہ صرف یہ کہ بساط اقتدار لپیٹ کر جانا پڑا، بلکہ ایوان اقتدار میں گزارے ہوئے ایام عیش و عشرت کا جواب بھی اکثر دینا پڑا ہے۔ اگرچہ انہیں حقیقی گرفت سے چھوٹنے کا فن بھی

خوب آتا ہے، لیکن ایک عرصے تک بے آبرو رہنا اور آزمائش کے مرحلے سے تو گزرنا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس پاکستان پیپلز پارٹی پنجاب کا Chapter نہایت مضطرب اور بے قرار ہے۔ انہیں شریف برادران کا اقتدار ایک پل بھی گوارا نہیں ہے، جب کہ اس اذیت و آزار سے وہ 2008 سے مسلسل گزر رہے ہیں۔

اُن کے پاس گنوانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، اس لیے وہ آتش بدماں، شعلہ بدہن اور شمشیر بدست ہیں۔ لیکن انہیں بھی معلوم ہے کہ آخری فیصلہ جناب آصف علی زرداری کو کرنا ہے اور وہ مولانا فضل الرحمن کی طرح نہایت زیرک، عاقبت اندیش اور دور بین ہیں، وہ جذباتی فیصلے نہیں کرتے، ان کی مٹھی میں اقتدار کا معتد بہ حصہ موجود ہے، جسے وہ جناب اعتراف احسن اور جناب قمر الزماں کا ترہ کادل لہانے کے لیے قربان نہیں کر سکتے۔ عوامی نیشنل پارٹی کا درد بھی سمجھ میں آتا ہے کہ پنجاب اور اسلام آباد کے تحت کو بچانے کے لیے شریف برادران نے تختِ پشاور جناب عمران خان کے حوالے کر دیا ہے۔ وہاں انہیں وہ کوئی چیلنج دینا نہیں چاہتے۔ حالانکہ پاکستان تحریک انصاف کو خیبر پختونخوا میں 2013 کے انتخابات میں غالب برتری حاصل نہیں ہوئی تھی اور اگر اسلام آباد کی آشر باد حاصل ہوتی تو انہیں اقتدار سے دور رکھنا ناممکن نہیں تھا۔ مولانا فضل الرحمن کی بھی شدید خواہش تھی کہ اس مہم کو سر کر لیا جائے۔ لیکن یہاں وزیر اعظم نواز شریف نے دورانِ اندیشی سے کام لیا اور تیرہ ادھار پر نو فائد کو ترجیح دی، انہوں نے انگریزی محاورے کے مطابق جھاڑیوں میں اقتدار کے پرندوں کو زیرِ دام لانے کی امید پر گرفت میں آئے ہوئے اقتدار کو قربان کرنا پسند نہیں کیا اور یہی اُن کی دانش مندی تھی۔

حضرت امام اعظم کے پڑوس میں ایک نوجوان تھا، دن بھر مزدوری کرتا تھا اور رات کو کثرت سے شراب پی کر عرجی شاعر کے اشعار پڑھتا تھا، جن کے مطلع کا پہلا مصرع یہ تھا: اَصْأَعُوْنِيْ وَ اَمِيْ فَنُتِيْ اَصْأَعُوْا، ”یعنی انہوں نے مجھے ضائع کر دیا اور انہیں خبر نہیں کہ کن خوبیوں کے حامل نوجوان کو انہوں نے ضائع کر دیا“۔ امام اعظم رات بھر نوافل پڑھتے رہتے، اُن کے کانوں میں پڑوسی کی آواز آتی رہتی، ایک دن وہ آواز بند ہو گئی۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا: وہ نوجوان کہاں گیا؟ لوگوں نے بتایا: سرکاری کارندے غل غپاڑا بچانے کے الزام میں اُسے پکڑ کر لے گئے ہیں اور جیل میں ڈال دیا ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ پڑوسی کی مدد کے لیے خلیفہ کے دربار میں گئے۔ خلیفہ نے آپ کا شایان شان استقبال کیا اور آمد کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا: میرے پڑوس میں ایک نوجوان تھا، اُسے آپ کے سپاہی گرفتار کر کے لے آئے ہیں، اگر آپ اُسے آزاد کر دیں تو مہربانی ہوگی۔ بادشاہ کے لیے امام اعظم کی فرمائش غیر معمولی بات تھی، اُس نے حکم دیا کہ نہ صرف اس نوجوان کو بلکہ اُس رات جتنے لوگ بھی پکڑے گئے ہیں، سب کو آزاد کر دو۔ امام اعظم اُسے لے کر گھر آئے اور پیار سے کہا: ”میرے عزیز! کیا ہم نے آپ کو ضائع کر دیا؟“ اس پر وہ شرمندہ ہوا اور ہمیشہ کے لیے شراب نوشی اور برے اعمال سے توبہ کر لی۔ سو حزب اختلاف اور حکومتی جماعت کے بہت سے رہنما وزیر اعظم سے شکوہ گناہ ہیں کہ خدا را ہمیں ضائع نہ کیجیے، ہمیں پکاریے تو سہی، ہم ہر خدمت کے لیے دستیاب ہیں۔ اور اگر ہمیں ضائع کر دو گے تو مشکل وقت آنے پر اسی طرح پچھتاؤ گے۔ پس سبق یہ ہے کہ جمہوریت شخصی نہیں بلکہ اجتماعی حکمرانی کا نام ہے۔